شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے متصوفانہ افکار
ایک تحقیقی جائزہ

ڈاکٹر محسنہ منیر

برِّ صغیر ہند کی اسلامی تاریخ میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی خدمات زرّیں حروف سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔انھوں نے اسلام کی حفاظت ومدافعت، دین کی تبلیغ اور بالخصوص حدیثِ نبوی کی تعلیم واشاعت کا اہم کارنامہ انجام دیا۔مشہور عالم دین مولانا سید احمد عروج قادریؒ (م۱۹۸۶ء) کے قلم سے ۱۹۵۰ء میں ان پر ایک تحقیقی کتاب بہ عنوان ’تذکرۂ شیخ عبدالحق محدث دہلوی‘ منظر عام پر آئی تھی۔بعد میں نام ور مؤرخ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے ان کی حیات وخدمات کا مبسوط مطالعہ پیش کیا۔زیرنظر مضمون میں محدث دہلوی کی زندگی کے ایک خاص پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے اوران کے متصوفانہ افکار کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ (معاون مدیر)

شیخ عبدالحق بن سیف الدین بن سعد اللہ ترک دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ برصغیر ہند کی معروف شخصیت ہیں۔آپؒ اپنے وقت کے عظیم محدث، فقیہ، مؤرخ، سیرت نگار، نحوی، فلسفی، نقاد اور بلند پایہ صوفی ہیں۔آپؒ کثیر التصانیف ادیب اور منفرد شاعر ہیں۔ متعدد کتابوں میں آپ کا تذکرہ مختلف پہلوؤں سے ملتا ہے۔آپؒ کی تصانیف کی تعداد تقریباً ساٹھ ہے، جو تفسیر، تجوید، شروح حدیث، عقائد، فقہ، تصوف، اخلاق، اعمال، فلسفہ و منطق، تاریخ اور نحو کے موضوعات پر تحریر کی گئی ہیں۔ساٹھ کے قریب مکاتیب و رسائل آپ سے منسوب ہیں، جو متفرق موضوعات پر تحریر کیے گئے ہیں۔[1]

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ۹۵۸ھ/ ۱۵۵۱ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ اس وقت سلیم شاہ سوری کی حکومت تھی۔ آپ کی حیات کے دوران میں برصغیر پر یکے بعد دیگرے آٹھ فرماں روا تختِ ہند پر متمکن ہوئے، جن میں سلیم شاہ سوری (م۱۵۵۴ء)، مبارز خان، ابراہیم شاہ، سکندر شاہ (۱۵۵۶ء)، ہمایوں، اکبر (۱۶۰۵ء)، جہاں گیر (۱۶۲۷ء) اور شاہ جہاں (۱۷۰۷ء) شامل ہیں۔[۲]

شیخ عبدالحقؒ کے جدِ امجد آغا محمد ترک بخاری سلطان علاؤ الدین خلجی (۱۲۶۶ء-۱۳۱۶ء) کے عہد میں بخارا سے نقل مکانی کر کے دہلی آئے۔ ان کے ہم راہ ترکوں کی کثیر جماعت بھی ہندوستان آئی۔ آغا محمد ترک (م۷۳۹ھ/ ۱۳۳۹ء) بہادر جنگ جو تھے۔ انھوں نے اپنی جماعت کے ہم راہ سلطان علاؤ الدین خلجی کو گجرات کی مہم میں فتح سے ہم کنار کیا اور دربار میں نمایاں مقام حاصل کر لیا۔ تصوف کی طرف مائل ہونے کے بعد انھوں نے گجرات چھوڑ کر دہلی میں سکونت اختیار کر لی۔[۳]

شیخ عبدالحقؒ محدث دہلوی کی تعلیم و تربیت میں ان کے والدِ گرامی شیخ سیف الدینؒ (م۹۹۰ھ/ ۱۵۸۲ء) نے خاص توجہ دی۔ وہ خود بڑے عالم، صوفی اور شیخ امان اللہ پانی پتی (م۹۵۷ھ/ ۱۵۵۰ء) کے خلیفہ تھے۔ اپنے والد کے زہد اور خشیتِ الٰہی کے بارے میں شیخ عبدالحقؒ اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں:

> ''جو خلوت کے ساتھی تھے وہ ان کے فقر و غنا سے واقف تھے اور باوجود تمام ظاہری اور باطنی وسیلوں کے دنیا کی شوکت و حشمت کی طرف رُخ نہیں کرتے تھے، بلکہ تمام ہمت اور پوری نیت کے ساتھ صرف قلب اور باطن کی جانب متوجہ رہتے تھے۔ قسم کھا کر کہتے تھے کہ ہمیں دنیا کی طلب، مال و دولت کی کثرت، مال داری اور سرمایہ داری کا شوق نہیں ہے، کیوں کہ ہمارا دلی رجحان صرف محبتِ الٰہی اور فقر کی طرف ہے...... مخلوق سے کیا واسطہ، صرف اللہ سے وابستہ رہنا چاہیے۔''[۴]

شیخ عبدالحق کو والد کا فقر، زہد اور تقویٰ ورثے میں ملا، جنھوں نے ان کی ذہنی و

قلبی تربیت میں خاص توجہ کی اور ان کی ابتدائی تعلیم کا سلسلہ خود گھر میں شروع کیا۔ قرآنِ مجید کی تعلیم کے ساتھ ہی انھیں تصوف سے بھی آگاہ کرنا شروع کیا۔ جلد ہی انھوں نے تعلیم مکمل کر لی۔ اپنے حصولِ علم کے ذوق کے بارے میں شیخ عبدالحق خود لکھتے ہیں:

> ''کم مدت میں زیادہ سے زیادہ علوم حاصل کیے اور طویل مدت حصولِ علم میں صرف ہوئی۔ علوم نحو میں کافیہ، لب الالباب اور ارشاد وغیرہ کے بعض اوقات ایک نشست میں سولہ سولہ صفحے پڑھ جاتا اور شوق کا یہ حال تھا کہ جب کوئی کتاب حاشیہ والی مل جاتی تو اسے استاد سے نہ پڑھتا، بلکہ اکثر اوقات اسے خود ہی پڑھ کر سمجھ لیتا۔ ہاں اگر مشکل باب ہوتا تو اسے لازماً استاد کے رو برو پڑھ کر سمجھتا تھا۔ اللہ جانتا ہے کہ میں نے اپنے ابتدائی زمانۂ طالب علمی میں کیا پڑھا اور کیا سمجھا، البتہ اتنا یاد ہے کہ کتاب کی اصل عبارت اس کے حاشیہ کے ذریعہ بہ خوبی سمجھ لیا کرتا تھا۔ جو کتاب ہاتھ آتی اس کے اول وآخر کا لحاظ کیے بغیر اسے شروع سے آخر تک پڑھ لیا کرتا تھا۔ مطالعہ کو وقت کا تقاضا اور لازم سمجھتا تھا، کیوں کہ علم حاصل کرنا میرا نصب العین تھا۔''۵

تحصیل علم کا سلسلہ ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد بھی طویل مدت تک جاری رہا۔ آپ نے ابتدائی علوم کی تحصیل استاد محمد مقیم سے حاصل کی، جو امیر محمد مرتضٰی الشریفی کے شاگرد تھے۔ دہلی کے جس مدرسہ میں آپ پڑھتے تھے وہ آپ کے گھر سے دو میل کی مسافت پر تھا۔ شیخ وجیہ الدین گجراتیؒ سے آپ نے طریقۂ قادریہ کے بعض اذکار و اشغال حاصل کیے اور یہ ۹۸۵ھ/ ۱۵۷۷ء کا زمانہ تھا۔۶ قرآن، حدیث، فقہ، نحو، کتابت وغیرہ علوم کی تحصیل کے بعد آپ نے کچھ عرصہ تک تدریسی فرائض انجام دیے۔ اس کے بعد حجاز تشریف لے گئے۔۷

۹۹۶ھ/ ۱۵۸۸ء میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ حجاز پہنچے۔ یہاں آپ نے جن شخصیات کا تلمذ اختیار کیا ان میں ایک اہم نام شیخ عبدالوہاب متقی قادری شاذلیؒ

(م ۱۰۰۱ھ/۱۵۹۳ء) کا ہے، جن سے حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ المصابیح پڑھی اور اس دوران ان کی نگرانی میں منازلِ سلوک بھی طے کیے۔ صحیح مسلم کی قرأت کی اجازت حاصل کی۔ شیخ عبدالوہابؒ سے جہاں آپ نے دیگر علوم حاصل کیے وہاں تصوف پر دو کتابوں **منہج السالک الی شرف المسالک** اور **قواعد الطریقة فی الجمع بین الشریعة والحقیقة** کا ذکر بھی ملتا ہے، جو شیخ عبدالوہابؒ نے خاص طور پر آپ کو دی تھیں۔ ۹۹۹ھ/۱۵۹۱ء میں آپ دہلی واپس تشریف لائے۔[۸]

شیخ عبدالحقؒ نے اخبار الاخیار میں شیخ عبدالوہابؒ کا تذکرہ کیا ہے، جس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی شخصیت، افکار اور طریقۂ کار پر شیخ عبدالوہابؒ کی شخصیت کا گہرا اثر ہے۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ علومِ دینیہ کے ساتھ تصوف کو دل میں جگہ دینے کی نصیحت آپ کے والد گرامی نے آپ کو کی تھی، مگر اس کا عملی انتظام شیخ عبدالوہابؒ کی صحبت نے بہ خوبی کر دیا، جو خود جید صوفی عالم تھے[۹] نیز فقہ حنفی کے بارے میں شبہات دور کرنے میں شیخ عبدالوہابؒ نے جو مدد فرمائی اس کا ذکر بھی شیخ عبدالحقؒ نے کیا ہے۔[۱۰] شیخ عبدالوہابؒ کا تعلق بھی ہندوستان سے تھا، مگر آپ نے مستقل سکونت مکہ مکرمہ میں اختیار کر لی تھی۔[۱۱]

اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ شیخ عبدالحقؒ جب ہندوستان واپس تشریف لائے اس وقت تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، علم الکلام، فلسفہ اور دیگر علوم آپ کے قلب و نگاہ میں ایسے اتر چکے تھے کہ آپ کے افکار کا شریعت کے دائرے سے نکلنا مشکل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تصانیف کا اگر گہرائی سے جائزہ لیا جائے تو ان میں شریعت اور طریقت باہم ایک دائرے کی شکل میں جگمگاتے نظر آتے ہیں۔

شیخ عبدالحق نے دہلی واپس آکر سلسلۂ ارشاد و تدریس شروع کیا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کا قائم کردہ مدرسہ شمالی ہند میں پہلا دینی مدرسہ تھا۔ یہاں آکر آپ نے حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ آپ کے ہم عصر علماء میں حضرت شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ابو المعالی قادریؒ، شیخ عبداللہ نیازیؒ، نواب مرتضیٰ

خان، شیخ فرید (م ۱۰۲۵ھ) عبدالرحیم خان خاناں (م ۱۰۳۶ھ)، ملا عبدالقادر بدایونی، مرزا نظام الدین احمد بخشی (م ۱۰۰۳ھ)، میر سید طیب بلگرامی وہ شخصیات ہیں جن کے ساتھ ان کا قلبی و علمی تعلق تھا۔[۱۲]

آپ نے حدیث پر جو کتب تحریر کی ہیں ان میں **اشعة اللمعات فی شرح المشکوٰة** کو قبولیتِ عام حاصل ہوئی۔ یہ فارسی شرح ہے۔ اس کے بعد آپ نے عربی میں بھی مشکوٰۃ کی شرح '**لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰة المصابیح**' کے نام سے لکھی۔ علاوہ ازیں آپ نے ان احادیث مبارکہ کا مجموعہ تیار کیا جو سلاطین کی رہنمائی کے لیے تھیں۔ یہ چالیس احادیث کا مجموعہ ہے جو '**ترجمة الأحاديث الاربعين فی نصيحة الملوک و السلاطين**' کے نام سے تھا۔ ان احادیث کا فارسی ترجمہ آپ نے مغل بادشاہ شاہ جہاں کے لیے کیا تھا۔ ان کے علاوہ: **ماثبت بالسُّنَّة فی ايام السَنَة، مدارج النبوة، جذب القلوب الی ديار المحبوب، تکميل الإيمان** بھی آپ کی اہم تصانیف ہیں۔

تصوف پر تصانیف

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے تصوف پر جو کتب تحریر کی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ **تنبيه العارف بما وقع فی العوارف:**

یہ کتاب عربی زبان میں ہے۔ اس کی تصنیف کا پس منظر یہ ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے ایک مرتبہ فرمایا: ''**قدمی هذا علی رقبة کل ولی الله**" (میرا قدم ہر ایک ولی کی گردن پر ہے۔) اس جملہ کے سلسلے میں شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے **عوارف المعارف** میں لکھا کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے بہ حالت سکر یہ فرمایا تھا۔ اس کے جواب میں شیخ عبدالحقؒ نے '**تنبيه العارف بما وقع فی العوارف**' تصنیف کی۔ اس میں انھوں نے لکھا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی کا یہ ارشاد بہ حالت صحو تھا اور یہ بات انھوں نے بہ حکم الٰہی مامور ہو کر کہی تھی۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ رام پور کے کتب خانہ میں '**الرسالة فی بيان**

قول قدمی ھذا علی رقبة کل ولی اللہ' کے نام سے موجود ہے۔[۱۳]

۲۔ تحصیل التعریف فی معرفة الفقه و التصوف

یہ کتاب بھی عربی زبان میں لکھی گئی ہے۔ اس کا قلمی نسخہ مولوی انوار الحق حقی کے کتب خانہ میں موجود تھا۔ اس کتاب میں، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، فقہ اور تصوف کے درمیان تطبیق دینے کی کوشش کی گئی ہے۔[۱۴]

۳۔ شرح فتوح الغیب

فتوح الغیب شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی تصنیف ہے۔ شیخ عبدالحقؒ کو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے گہری عقیدت تھی۔ ان کے اٹھتّر (۷۸) وعظوں پر مشتمل یہ کتاب شیخ عبدالحقؒ کے زیر مطالعہ یوں رہی کہ آپ کے دل میں اس کی شرح لکھنے کی خواہش پیدا ہوگئی۔ یہ شرح آپ نے اپنے ایک معاصر شاہ ابوالمعالیؒ کے کہنے پر لکھی تھی۔[۱۵]

شیخ عبدالحقؒ نے اس شرح کے آغاز میں بہ صد احترام اپنا نام درج نہیں کیا اور اس کے آخر میں یہ رائے ظاہر کی:

آنچہ دریں کتاب ازاں مودع است ہمہ بیان کتاب وسنت است۔[۱۶]	یہ تصنیف کتاب وسنت کی دعوت پر مشتمل ہے۔

یہ کتاب ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۶ء میں لاہور سے اور ۱۲۹۸ھ/ ۱۸۸۱ء میں مطبع نول کشور لکھنؤ سے شائع ہوئی۔

۴۔ مرج البحرین فی الجمع بین الطریقین

یہ مختصر تصنیف اس لحاظ سے بے حد مفید ہے کہ اس میں شریعت اور طریقت پر علمی اور عقلی انداز سے قلم اٹھایا گیا ہے۔ شیخ عبدالحقؒ نے اس میں مدلل گفتگو فرمائی ہے اور جا بہ جا قرآن، حدیث اور اقوال صوفیہ کے حوالے دیے ہیں۔

اس کتاب کے تیرہ وصال ہیں، جن کے موضوعات درج ذیل ہیں:

اوّل: محبت دنیا و مافیہا

دوم: اختلافات امت محمدیہ اور ترویج علوم فلسفہ۔

سوم: فلسفیات کے حرام جاننے اور مباحثات سے پرہیز کرنے کے بیان میں۔

چہارم: عقل و علم و ذکر و فکر۔

پنجم: صحتِ عقل۔

ششم: مذمتِ عقلِ ظاہر۔

ہفتم: رویت باری تعالیٰ کے بیان میں۔

ہشتم: نقل کے ساتھ عقل کو کچھ تعلق نہ ہونے کے بیان میں۔

نہم: تطبیقِ شریعت و طریقت۔

دہم: ہفوات اولیاء۔

یازدہم: حکایاتِ صوفیہ صافیہ۔

دوازدہم: فقرا کے بے سروسامان رہنے کے بیان میں۔

سیزدہم: خلاصۂ مضامین کتاب قواعد الطریقۃ فی الجمع بین الشریعۃ والحقیقۃ۔

آخری باب حضرت شیخ سید احمد مغربیؒ کی تصنیف کے ترجمہ اور خلاصہ پر مشتمل ہے۔

اس کتاب کے بارے میں خود شیخ عبدالحقؒ لکھتے ہیں:

این رسالہ ایست مسمی بہ مرج البحرین و جامع الطریقین جامع طریقہ فقہ وتصوف و شریعت وطریقت وظاہر و باطن وصورت و معنی وقشر ولب وعلم وحال وصحو وسکر ومذہب ومشرب وعقل وعشق واگر آں را صراط مستقیم وطریق قویم نام کنند جائز باشد و دین خالص وسبیل اسلم لقبش نہند روا باشد و دعوت حق و منہج رشاد گویند درست افتد و میزان عدل و دستور العمل گرداند راست آید۔ [۱۷]

یہ رسالہ جس کا نام مرج البحرین و جامع طریقین ہے، اس میں فقہ، تصوف، شریعت، طریقت، ظاہر، باطن، صورت، معنی، قشر، لب، علم، حال، صحو، سکر، مذہب، مشرب، عقل، عشق، سب کے لحاظ سے جامع بیان ہے کہ اگر یہ تمام صراط مستقیم اور طریق قویم پر ہوں تو جائز ہوں گے۔ دین بھی خالص ہوگا اور راہ حیات بھی اسلم ہوگی۔

یہ کتاب ۱۲۶۵ھ/ ۱۸۴۹ء میں مطبع عبدالرحمٰن سے، ۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۸ء میں مطبع

محمد کلکتہ سے اور ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء میں مطبع نامی لکھنؤ سے شائع ہوئی۔ اس کا اردو ترجمہ مولوی غوث محمد فرخ آبادی نے 'وصال السعدین' کے نام سے کیا۔ جب کہ مولوی شیخ عبدالقادر صدیقی نے فارسی زبان میں اس کی شرح شرح البحرین کے نام سے کی۔ [۱۸]

۵- جواب بعض کلمات شیخ احمد سرہندیؒ

شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانیؒ اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ دونوں شخصیات ایک وقت میں ایک ہی خطے میں اپنے اپنے انداز سے اسلام کی تبلیغ واشاعت کا فریضہ انجام دے رہی تھیں۔ ان کے آپس میں گہرے ربط اور قلبی انس کا اندازہ شیخ عبدالحقؒ کے اس رسالے کے مطالعے سے بہ آسانی ہو جاتا ہے جو انھوں نے شیخ احمد سرہندیؒ کے لیے لکھا تھا۔ [۱۹] بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ شیخ عبدالحقؒ نے اس رسالے میں شیخ احمد سرہندیؒ پر تصوف کے کچھ معاملات میں گرفت کی ہے۔ انھوں نے شیخ احمد سرہندیؒ کے بعض اقوال اور باطنی ادراکات پر شرعی نقطۂ نگاہ سے تنقید کی تھی۔ شیخ احمد سرہندیؒ نے اس کے جواب میں اپنے افکار کی مزید وضاحت کی، جس سے شیخ عبدالحقؒ کے شکوک رفع ہو گئے۔ اس کا تذکرہ شیخ عبدالحقؒ کے اس مکتوب میں ملتا ہے جو انھوں نے خواجہ حسام الدین کے نام تحریر کیا تھا۔ اس خط کے ساتھ شیخ احمد سرہندی کے احوال 'اخبار الاخیار' کے آخر میں شامل کر دیے گئے ہیں۔ حقیقت میں وہ اس تصنیف کا حصہ نہیں ہے۔ [۲۰]

شیخ عبدالحق کی اس تحریر کو پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اپنی کتاب 'حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ' میں شائع کیا ہے۔ [۲۱]

۶- اخبار الاخیار

آپ کی ایک تصنیف 'اخبار الاخیار فی اسرار الابرار' ہے، جو صوفیائے کرام کے حالات پر ہے۔ اس میں آپ نے کم وبیش دو سو چھہتر (۲۷۶) شخصیات کا تعارف کرایا ہے۔ آغاز میں بہ طور احترام شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا تذکرہ کیا ہے، دیگر تمام شخصیات کا تعلق برصغیر سے ہے۔ کتاب کے مقدمے میں آپ نے لکھا ہے:

''چوں کہ مملکت عرب و عجم کے مشائخ کے حالات ارباب معارف کی کتابوں میں موجود ہیں، اس لیے میں نے سوچا کہ پیر دست گیر شیخ العالم غوث الاعظم فرد احباب، قطب الاقطاب، غوث الثقلین حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر الحسنی جیلانیؒ کے حالات لکھنے کے بعد ہندوستانی مشائخ کے مخصوص حالات تحریر کیے جائیں، کیوں کہ ہمارا ملک غرباء، محبان اور دوستان خدا کی قیام گاہ ہے۔ اگرچہ بعض مشاہیر کے حالات تحریر بھی کیے جا چکے ہیں، لیکن اکثر مشائخ، علماء اور متقی جو فتح اسلام کے ابتدائی زمانہ سے ہمارے ملک میں ظاہر ہوئے اور ہر زمانہ میں مشہور رہے ان کے حالات کسی خاص کتاب میں تفصیل سے تحریر نہیں ہیں۔'' ۲۲

اس کتاب کی افادیت کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ یہ بعد میں تصنیف کی جانے والی ان گنت کتب، جن میں صوفیائے کرام کے حالاتِ زندگی درج کیے گئے ہیں، ان کا ایک اہم ماخذ ہے۔ بہ الفاظ دیگر یہ کتاب صوفیہ کے حالات پر ایک اہم تاریخی دستاویز ہے۔

ان تصانیف کے علاوہ آپ نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی تصنیف 'غنیۃ الطالبین' کا فارسی میں ترجمہ کیا، جو ناپید ہے۔ آپ کا ایک رسالہ '**توصیل المرید الی المراد به، بیان الأحزاب والأوراد**' کے نام سے فارسی زبان میں ہے، جس میں ادعیہ اور اوراد کے بارے میں اہل طریقت اور محدثین کے نقطۂ نظر کی وضاحت کی گئی ہے۔ یہ رسالہ ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء میں مطبع مفید عام آگرہ سے شائع ہوا تھا۔

آپ کا ایک اور رسالہ 'رسالۂ وجودیہ' ہے، جو مولوی انوار الحق حقی دہلوی کے کتب خانے میں موجود تھا۔ ۲۳

آپ کی ایک شہرۂ آفاق تصنیف 'تکمیل الایمان وتقویۃ الایقان' ہے۔ یہ فارسی زبان میں تحریر کی گئی ہے۔ یہ اہل شریعت وطریقت کے لیے ایک جامع و رہ نما کتاب ہے۔ اس میں عقائد اہل السنۃ والجماعۃ دلائل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں اور توحید و

صفات باری تعالیٰ اور تصوف کے بعض مشکل مقامات پر مدلل انداز میں گفتگو کی گئی ہے۔ ایک بحث توسل واستمداد پر بھی ہے۔[۲۴]

آپ کی دیگر تصانیف: مدارج النبوۃ، جذب القلوب الی دیار المحبوب اور ما ثبت بالسنۃ فی ایام السنۃ وغیرہ میں بھی ضمناً معرفت وسلوک کے بعض پہلوؤں کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ نیز آپ کے مکاتیب ورسائل بھی تصوف پر آپ کے عمیق مطالعے کی عکاسی کرتے ہیں۔

تذکرۂ صوفیہ کا مقصد

وہ ہستیاں جنھوں نے دین اسلام کی سربلندی اور اشاعت کے لیے جدوجہد کی اور مخلوقِ خدا کو اپنے رب سے غافل ہونے سے باز رکھنے کے لیے اپنی عمریں وقف کردیں، ان کے تذکرے اور ان کے کارہائے نمایاں کو عام کرنا بڑا ہی مفید عمل ہے۔ شیخ عبدالحقؒ نے 'اخبار الاخیار' کے آغاز میں صوفیہ اور اولیائے کرام کے حالات بیان کرنے کا یہ فائدہ تحریر کیا ہے:

کاملان و مشاہدہ جمال عارفان استماع اخبار وتتبع آثار ایشان در ہمت فرمائی و ظلمت زوائی ہمان تاثیر دارد کے صحبت و مجالست بلکہ این نیز نوعی از صحبت ست کہ جمال وقت وروی از غبار کدورت بشری و حجاب صورت عنصری مصفاست۔[۲۵]

اہلِ کمال کی صحبت اور عارفوں کے مشاہدۂ جمال سے محروم رہتے ہوئے ان کے حالات سے آگاہی حاصل کرنے اور ان کی پیروی کرنے سے ہمت بڑھتی اور تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں اور بالکل وہی کیفیت طاری ہوتی ہے جیسی ان ہستیوں کی صحبت وہم نشینی سے حاصل ہوتی۔ یہ بھی ایک قسم کی ہم نشینی ہے، کیوں کہ کدورتِ انسانی کے غبار اور صورت عنصری کے حجاب میں یہ جمال صاف اور واضح ہوتا ہے۔

اپنی کتاب کا مقصد تالیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''بزرگوں کے فضائل و مناقب جو بیان کیے جاتے ہیں وہ ان کے حسنِ عمل اور بلندیٔ کردار کی بنا پر ہیں اور حسنِ

عمل سے ہی حیاتِ ابدی اور سعادتِ ازلی حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ اولیائے کرام کے احوال بیان کرنے والے کو بھی نیک اور عمدہ اعمال انجام دینے کی توفیق اللہ تعالیٰ کی جانب سے مل سکتی ہے۔صالح لوگوں کا تذکرہ کرنے سے ان کی روحیں خوش ہوتی ہیں اور اس دنیا میں جب کچھ دیر کے لیے ان نیک ہستیوں کا اچھا تذکرہ کیا جاتا ہے تو اس کے عوض یہ پاک روحیں تذکرہ کرنے والے کو عالم بالا میں بہ حکم الٰہی یاد کرتی ہیں۔ مزید برآں اس کے جانے کے بعد لوگ بھی اسے اچھے الفاظ میں یاد رکھیں گے۔[۲۶]

شیخ عبدالحقؒ کے ہاں صوفیہ کا ادب واحترام بہ درجۂ اتم پایا جاتا ہے۔ ان کے مقام ومرتبے، ان کے ارشادات وحکایات آپ نے بہ صد عقیدت بیان کیے ہیں۔

فقہ وتصوف کے درمیان تطبیق

شیخ عبدالحقؒ نے فقہ اور تصوف کے درمیان علمی انداز سے تطبیق کی۔ ان کے ہاں تصوف کا گہرا رجحان جہاں ایک طرف روایتی انداز رکھتا ہے وہاں کسی فقہی مسئلے کے بیان میں آپ خالص علمی اور تحقیقی انداز سے گفتگو کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر مسائل صلوۃ التراویح میں سے ایک بحث یہاں نقل کی جاتی ہے:

المستحب أن يجلس بين كل ترويحتين مقدار ترويحة وكذا بين الخامسة والوتر وهو المروی عن أبی حنيفة ولأن التراويح مأخوذ من الراحة، ففيه تحقيق إسمها وهو المروی عن السلف وأهل الحرمين، كانوا مجتمعين على ذلک أما أهل المكة فانهم يطوفون أسبوعا، وأهل المدينة يصلون أربعاً، وكذا أهل كل بلد من بلاد	مستحب یہ ہے کہ چار رکعات تراویح پڑھنے کے بعد جتنے وقفہ میں ایک ترویحہ پڑھتے ہیں اتنی مدت نشست کرے۔ یعنی بیس رکعات تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد پانچ مرتبہ بیٹھنا مستحب ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ سے بھی یہی مروی ہے اور اہل حرمین الشریفین کا بھی یہی طرز عمل اور یہی طریقہ ہے اور چوں کہ لفظ تراویح راحت سے ماخوذ ہے، اس لیے چار رکعات کے بعد ترویحہ ایک رکعت کے وقفہ کے برابر آرام کرنا ضروری ہے اور آرام کرنے کی بنا پر

المسلمين، ثم هو بالخيار إن شاء سبّح أو هلّل أو صلّى أو قرأ القرآن أو سكت، ولو ترك الاستراحة بين كل ترويحتين، فقيل لا بأس به، وقيل لا يستحب، لأنه يخالف عمل أهل الحرمين الشريفين زادهما الله تشريفاً وتعظيماً...... ۲۷

یہی ترویحہ کا محاورہ مشہور ہے، جو اپنے نام کے سبب کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ اہل الحرمین الشریفین اور تمام بزرگوں کا یہی قول و عمل ہے، جب کہ اہل مکہ تراویح پڑھنے کے درمیان سات مرتبہ طوافِ کعبہ کرتے ہیں۔ اور اہل مدینہ چار چار رکعات ادا کرتے ہیں اور تمام ممالک اسلامیہ میں اسی طرح ہر چار رکعت کے بعد ترویحہ ہوتا ہے۔ ہر ترویحہ میں آدمی کو اختیار ہے، چاہے تسبیح و تہلیل یا تلاوتِ قرآن کرے یا خاموش بیٹھا رہے۔ اگر ہر چار رکعات کے بعد ترویحہ نہ کیا جائے تو بعض کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں، مگر اکثر علماء و محدثین کے نزدیک ترویحہ ترک کرنا غیر مستحب ہے، کیوں کہ اس سے عمل اہل الحرمین الشریفین کی مخالفت ہوتی ہے۔''

علمی بحثوں اور عقائد وعبادات کے بیان میں شیخ عبدالحق کی گفتگو مدلل انداز رکھتی ہے۔ آپ کا دلائل دینے کا انداز اور ترتیب کچھ اس طرح ہے کہ پہلے قرآن، حدیث اور اقوال سلف بیان کرتے ہیں پھر اپنی رائے ذکر کرتے ہیں۔ جس جگہ ضرورت ہوتی ہے وہاں بہ کثرت احادیث نقل کرتے ہیں، جیسا کہ ماہ شعبان کی فضیلت بیان کرتے ہوئے آپ نے صحاح ستہ سے احادیث نقل کی ہیں۔ اس کے بعد شعبان کی عبادات کے حوالے سے صوفیہ کے عمل کو بھی بیان کیا ہے۔ ۲۸

شریعت اور طریقت کا باہمی تعلق

شیخ عبدالحقؒ نے دیگر برگزیدہ صوفیہ کی طرح شریعت و طریقت کے باہمی تعلق

کو اجاگر کیا ہے۔اس پہلو سے آپ کا رسالہ 'تکمیل الایمان' بڑا جامع ہے۔اس میں آپ نے نہایت گہرائی کے ساتھ فلسفیانہ انداز میں معبود حقیقی کی نعمتوں کا ذکر کیا ہے اور ان نعمتوں کا شکر بھی کیا ہے جو انسان کو عطا کی گئی ہیں۔آپ نے اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدے کے مطابق توحید وصفات باری تعالیٰ کو بیان کیا ہے، تخلیق کائنات کی حقیقت بیان کرتے ہوئے خالق کائنات کا ذکر کیا ہے اور ان تمام پہلوؤں میں باطل افکار کو یکسر رد کیا ہے۔آپ لکھتے ہیں:

فھو المراد والعالم حادث ہرچہ ما سوائے ذات حق و صفات اوست حادث است یعنی از عدم بوجود آمدہ وقدیم نیست بدلیل خبر رسول اللہ ﷺ کان اللہ ولم یکن معہ شی خدا بود ونہ بود بادے چیزے و بدلیل آنکہ عالم متغیر ومحل حوادث است و ہرچہ اینچنین باشد قدیم بنود و ہرچہ قدیم بود متغیر نشود ودوائم بریک نہج باشد وآن ذات وصفات حق است کہ تغیر و تبدل را بدان راہ نیست تعالیٰ شانہ وعظیم برہانہ۔۲۹

عالم حادث ہے اور بہ دلیل خبر رسول ﷺ ہر شے ما سوائے ذات وصفات باری تعالی حادث ہے اور عدم سے وجود میں آئی ہے: کان اللہ ولم یکن معہ شی "کچھ موجود نہ تھا، مگر اللہ موجود تھا"۔اس دلیل کی رو سے عالم متغیر اور محل حوادث ہے، اس میں کوئی چیز قدیم نہیں۔پھر جو قدیم ہے وہ تغیر سے پاک اور ہر لحاظ سے دوام رکھتی ہے اور وہ ذات حق تعالیٰ شانہ کی ہے۔

شیخ محدث کے افکار میں ذات باری تعالیٰ کے متصرف حقیقی ہونے کی نشان دہی وضاحت سے کی گئی ہے۔۳۰ آپ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی من جملہ تمام نعمتوں میں سے نعمتِ اول 'وجود' ہے۔اس کے بعد دوسری نعمتوں کی فراوانی ہے، وجود اور ہستی نعمت کو دوام حاصل ہے، اس لیے اس دائمی نعمت پر دوامی طور پر ہر لمحہ شکر کرنا ضروری ہے۔۳۱ پھر نعمتِ نفس، نعمتِ رزق، کائنات، علم اور عقل وغیرہ کا بیان بھی آپ کے ہاں ملتا ہے۔

شیخ عبدالحقؒ نے علمی بحثوں کے بیان، عقائد کی شرح اور سلوک ومعرفت کے پوشیدہ مقامات کی وضاحت کے دوران نازک مقامات پر شریعت کو اختیار فرمایا ہے۔ 'تکمیل الایمان' میں انسان کے اختیار و ارادہ پر بحث کے دوران آپ کا موقف مبنی بر

اعتدال ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس بحث میں آپ نے انسان کے عمل میں مختار ہونے اور اختیار میں مجبور ہونے کے سلسلے میں جو کچھ تحریر کیا ہے، وہ اقرب الی الحق ہے۔ لکھتے ہیں:

وہمان (جبر و اختیار) سخن آمد کہ گفتہ اند مختار فی فعلہ و مجبور فی اختیارہ و بعبارتے دیگر اختیار بالصورۃ وجبر بالمعنی و بحیثیت این مسئلۃ یعنے مسئلہ قضا وقدر باقول باختیار بندہ مقام حیرت و اعتراف بعجز وسکوت است و مرجع و مآل کلام ایشاں درین مقام بابن آیت است کہ لاَ یُسْاَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْئَلُوْنَ وہنوز درین موقف نباید استاد کہ در دراے آن سرے غامض است حضرت امام جعفرؓ صادق کہ استاد طریقت وقدوہ اھل حقیقت است می فرماید کہ لا جبر ولا قدر ولکن بین امرین۔ فرمود حقیقت کار امرے متوسط است میان جبر وقدر......۳۲

جبر و اختیار کے معاملے میں کہا گیا ہے کہ انسان اپنے فعل میں مختار ہے اور اپنے اختیار میں مجبور ہے۔ ایک اور تعبیر اس کی یہ ہے کہ وہ اختیار بالصورۃ اور جبر بالمعنی رکھتا ہے۔ آیت مبارکہ لاَ یُسْاَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْئَلُوْنَ کی رُو سے جبر وقدر کے مسئلے میں سکوت بہتر ہے۔ حضرت جعفر صادقؒ کے مطابق انسان کے جبر و اختیار میں حقیقت دو انتہاؤں کے درمیان ہے۔

اس مقام پر جبریہ وقدریہ کا رد جس انداز میں کیا گیا ہے وہ قابل ملاحظہ ہے۔ اس میں نہ تو شدید الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اور نہ قاری کے جذبات کو برانگیختہ کرنے کا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ یہ بحث عقائد کی بہت سی کتابوں میں آئی ہے اور قد آور علمی شخصیات نے اس پر قلم اٹھایا ہے، لیکن شیخ عبدالحق کا انداز بیان بالکل جداگانہ ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

ولکن عقل در دریافت این امر متوسط حیران وسرگردان است وفی الحقیقت این حیرانی و سرگردانی اہل بحث و جدال را باشد کہ خواہند کہ معتقدات را بعقل ثابت کنند و

اس امر متوسط میں عقل انسانی حقیقت کی تلاش میں حیراں و سرگرداں ہے۔ اہل کلام اس کو عقلی دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔ شریعت کی رُو سے اور قرآنی دلائل

تا چیزے کے بعقل ایشاں راست بناید ومعقول ایشاں نیفتد تصدیق آن نکنند و ایمان بدان نیاوند وایمانیان را دلیل قطعی بر ثبوت این مدعا شریعت وقرانست کہ ناطق است باین کہ ہمہ بقدرت وارادت اوست وباوجود آن طاعات ومعاصی را بہ بندگان نست میکند ومیفر ماید کے خدا ہرگز ظلم نکند ایشان خود برخود ظلم کردند **وما کان اللہ لیظلمھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون**''۔۳۳

کی رو سے انسان عمل میں اختیار کا حامل ہے، اس سے اس بارے میں حساب ہوگا، اس بنا پر کہ ارشاد باری ہے: اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا، مگر وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے۔

'تکمیل الایمان' میں عصمتِ انبیاء اور فضائلِ صحابہؓ کرام رضی اللہ عنہم کی بحث بھی لائق مطالعہ ہے۔ اس میں آپ نے اپنے والد کی اس نصیحت کو اختیار کیا ہے، جس میں انھوں نے بحث مباحثہ میں شدید انداز اختیار کرنے سے منع کیا تھا۔۳۴

احادیث سے استدلال

احادیث سے استدلال کی ایک اور مثال فضیلتِ درود کی بحث ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے عنوان کے تحت شیخ عبدالحقؒ نے فضائلِ درود بیان کیے ہیں۔ اس سیاق میں آپ نے چودہ درود، جو مختلف احادیث میں بیان ہوئے ہیں، درج کیے ہیں۔ 'جذب القلوب' میں آپ نے بیان کیا ہے کہ افضل ترین درود 'درودِ ابراہیمیؑ' ہے۔ نیز یہ کہ درود شریف کے وہ الفاظ، جو احادیث میں آئے ہیں، ان کا پڑھنا بلا شبہ اس اعتبار سے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہوئے ہیں، افضل ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ بعض علماء کے مطابق تمام درودوں میں افضل وہ درود ہے جو التحیات کے بعد نماز میں پڑھی جاتی ہے اور وہ درود صحیح احادیث میں مخصوص کیفیتوں کے ساتھ آئی ہے۔۳۵

اس بارے میں آپ نے امام نوویؒ کے حوالے سے لکھا ہے:

''درود پڑھنے والے کو چاہیے کہ احادیثِ صحیحہ میں جتنی کیفیات مخصوصہ آئی ہیں سب کو جمع کرے اور پڑھے، تاکہ تمام الفاظ ماثورہ اور جملہ صیغہ ہائے درود کا ثواب حاصل ہو اور وہ مجموعہ یہ ہے:

''اللھم صلّ علی محمد عبدک و رسولک النبی الأمّی وعلی اٰل محمد وأزواجه أمهات المؤمنين و ذريته وأهل بيته كما صلّيت على إبراهيم وعلى اٰل إبراهيم في العالمين إنک حميد مجيد. اللهم بارک على محمد عبدک و رسولک النبیّ الأمّی وعلی اٰل محمد وأزواجه أمهات المؤمنين وذريته وأهل بيته كما باركت على إبراهيم في العالمين إنّک حميد مجيد و كما يليق بعظم شرفه و كماله ورضاک عنه وكما تحب و ترضى له عدد معلوماتک ومداد كلماتک ورضى نفسک وزنة عرشک أفضل صلوة وأكملها وأتمّها كلّما ذكرک الذاكرون وغفل عن ذكرک الغافلون وسلّم تسليماً كذلک وعلينا معهم''۔[۳۶]

اس بحث میں آپ نے کثرت سے احادیث و اقوال درج کیے ہیں۔ آپ کی تحریروں میں ایسی مثالیں عموماً ملتی ہیں۔[۳۷]

سلسلۂ قادریہ

شیخ عبدالحقؒ کا رجحان تصوف میں سلسلۂ قادریہ کی جانب ہے۔ دیگر سلاسل میں چشتیہ، شاذلیہ، مدنیہ اور نقش بندیہ کے ساتھ بھی آپ کو تعلق رہا ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے، تصوف میں آپ کا مرکز و محور شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ کی ذات تھی۔ آپ کے بہ قول حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے ارشاد پر

خواب میں بیعت کیا۔[۳۸]

آپ نے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مناقب پر ایک کتاب 'زبدۃ الآثار' تحریر کی، جو دراصل ملا نور الدین ابی الحسن علی بن یوسف الشافعی اللخمیؒ کی تصنیف 'بہجۃ الاسرار' کی تلخیص اور انتخاب ہے۔ اس میں آپ نے کشف و کرامت پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ ''فی الحقیقت کشف کا طور طریقہ عقلی اسالیب سے بلند و برتر ہوتا ہے۔ عقل مکاشفات کے ادراک سے عاجز ہوتی ہے۔ جس طرح حسّ عقلی ادراک سے مطلع نہیں ہوتی اسی طرح عقل مکشوفات پر حاوی نہیں ہوسکتی''۔[۳۹]

سالکِ راہِ تصوف کا نصاب

شیخ عبدالحقؒ نے اپنے وقت کی برگزیدہ شخصیت سے اکتسابِ فیض کرنے کے بعد مسلمانوں کو منازلِ سلوک سے آگاہ کرتے ہوئے عقائد کی وضاحت میں قرآن وسنت سے دلائل دیے ہیں۔ اس کے بعد سالک کے نصاب میں زہد، حیا، توکل، عدل، صبر، خشیتِ الٰہی و دیگر اہم صفات کے بیان میں بھی قرآن و حدیث اور پھر عمل اولیاء سے مثالیں بہم پہنچائی ہیں۔ مثال کے طور پر 'مدارج النبوۃ' میں حیا کے بیان میں لکھتے ہیں:

در شرع خلقی است کہ باعث میگردد بر اجتناب از قبیح و باز میدارد از تقصیر در حق ذی الحق و حیا را از ایمان داشتہ اند کہ الحیاء من الایمان اگرچہ عزیز است زیرا کہ استعمال وہ بر قانون شرح محتاج است بقصد و علم اکتساب۔[۴۰]

شریعت میں حیا اس خوبی کا نام ہے جو برائی کے ارتکاب سے بچانے کا موجب اور حق دار کے حق میں کوتاہی سے محفوظ رکھنے کا باعث ہے۔ حیا کو ایمان کا جز بھی کہا گیا ہے، چنانچہ حدیث میں ہے: **الحیاء من الایمان**۔ اگرچہ یہ صفت غریزی یعنی طبعی و خلقی ہے، لیکن اس کا استعمال بہ قصد علم و اکتساب قانونِ شریعت پر لازمی ہے۔

آگے حیا کی ایک خاص قسم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقسم دیگر حیا مراد است از خود و آن حیا نفوس شریفہ است در راضی شدن نیقص دراضی شدن بمرتبہ دون لیس می باید نفس خود را مستحی کہ حیا دار داز نفس خود گویا کے اورا در نفس است حیا دار دیکی از دیگری واین از اکمل اقسام حیا است زیرا کہ مرد چون استحیا کند از نفس خود استحبا از غیر خود بطریق اولیٰ خواہد کرد۔[۴۱]

حیا کی ایک قسم اپنی ذات کے لیے خود سے ہوتی ہے۔ ایسی حیا شریف اور بزرگ اشخاص میں ہوتی ہے، جو نقص اور مرتبہ کی کمی پر راضی ہونے میں ہے۔ لہذا لازم ہے کہ آدمی اپنے آپ کو حیادار بنائے، یعنی اپنی ذات سے حیا و شرم کرے۔ گویا اس میں دو ذاتیں ہیں: ایک ذات دوسری ذات سے حیا کرتی ہے۔ یہ حیا کی اقسام میں کامل ترین ہے، کیوں کہ آدمی جب اپنی ذات سے حیا کرتا ہے تو وہ دوسرے سے بہ طریقِ اولیٰ حیا کرے گا۔

وسیلہ کی حقیقت

ایک مقام پر انھوں نے قربِ الٰہی کے حصول کے لیے وسیلہ اختیار کرنے کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

توسل واستمداد بارواح مقدسہ ایشان ثابت ومؤثر و امام حجۃ الاسلام محمد غزالیؒ میگوید کہ ہر حیات وی بوی توسل و بترک جویند بعد از موتش نیز توان جست واین سخن موافق دلیل است چہ بقای روح بعد از موت بدلالت احادیث واجماع علماء ثابت ست ومتصرف در حیات و بعد از ممات روح ست نہ بدن و متصرف حقیقی حق تعالیٰ ست وولایت عبارت از فنا فی اللہ وبقاء دوست واین نسبت بعد از موت اتم واکمل ست و نزد ارباب کشف و تحقیق مقابلۂ روح زائر بارواح مزور موجب انعکاس اشعہ لمعات انوار واسرار شود دور رنگ مقابلۂ مرأت بمرأت۔[۴۲]

ارواح مقدسہ سے توسل و استمداد ثابت و مؤثر ہے۔ امام غزالیؒ کے مطابق بعد از موت توسل و استمداد ہوتا ہے، جیسا کہ بقاء روح احادیث اور اجماع سے ثابت ہے۔ حیات میں تصرف بعد از ممات روح کا ہوتا ہے نہ کہ بدن کا، جب کہ متصرف حقیقی ذات باری ہی ہے اور ولایت عبارت ہے فنا فی اللہ سے اور یہ نسبت بعد از موت اتم و اکمل ہوتی ہے۔ ارباب کشف و تحقیق کے نزدیک اس روحانی ملاقات سے انعکاس انوار و اسرار ہوتا ہے۔

ایک مقام پر آپ نے آں حضرت ﷺ سے توسّل و استغاثہ اور استمداد کو انبیاء و مرسلین، متقدمین اور متاخرین کا عمل قرار دیا ہے۔۴۳ اس ضمن میں آپ نے چند مثالوں سے اس حقیقت کو بھی واضح کیا ہے کہ آں حضرت ﷺ افضل الانبیاء ہیں، نیز بہ روزِ قیامت آپؐ مقامِ محمود پر فائز ہوں گے۔ یہاں شیخ عبدالحق کا اُسلوبِ بیان صوفیانہ اور علمی دونوں رنگ لیے ہوئے ہے۔

آپ نے چار مقامات کا تذکرہ کیا ہے جہاں رسول پاک ﷺ کو توسّل و استمداد کے مرتبے پر فائز کیا گیا ہے:

۱۔ آپؐ کی روح مقدس سے توسّل واستمداد قبل از وجود عالم جسمانی

۲۔ توسل در حیات دنیوی

۳۔ توجہ اور استمداد و توسل بعداز وفات

۴۔ روزِ حشر میں شفاعت کے لیے آپؐ کا وسیلہ اختیار کرنا۔

اس بیان کے بعد آپ توسل کی حقیقت یہ بیان کرتے ہیں کہ ''توسل اور استمداد کی حقیقت بس اتنی ہے کہ جناب باری سے اس محبت اور کرم کے واسطے سے، جو اللہ تعالیٰ اس بندۂ خاص سے رکھتے ہیں، سوال اور دعا کی جائے کہ اس روحانیت کی وجہ سے اس بندۂ خاص کو حضرت رب العزت کے دربار میں جو قربت اور کرامت حاصل ہے اس سے ہم توسّل اور استمداد طلب کرتے ہیں''۔۴۴

نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجنے سے توسّل و استمداد کے حصول کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''بعض متاخرین مشائخ فرماتے ہیں کہ طریق سلوک، تحصیلِ معرفت اور قربِ الٰہی کے حصول کے لیے جس وقت کہ اولیائے کرام کا وجود مفقود ہو اور جس زمانہ میں وہ موجود نہ ہوں اس وقت ظاہر شریعت پر بالالتزام عمل کرنا اور نبی کریم ﷺ کے ذکر مبارک اور آپ پر کثرتِ درود کو ہمیشہ لازم کر لینا مرشدِ متصرف کا کام دے گا۔ کثرتِ درود سے باطن میں ایک نور پیدا ہو جاتا ہے، جس سے منازل سلوک طے پا جاتے ہیں اور براہ راست حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ سے فیضان و اعانت اور امداد حاصل ہو جاتی ہے''۔۴۵

بدعات پر تنقید

شیخ عبدالحق کے یہاں بدعات اور دیگر اعمال قبیحہ پر تنقید بھی ملتی ہے۔ اس حوالے سے آپ کا زاویۂ نگاہ ہندوستانی مسلمانوں ں کی اصلاح پر محیط ہے۔ ماہِ شعبان میں شب براءت کے موقع پر ہندوستانی مسلمانوں میں چراغاں وغیرہ کرنے کی رسم عام ہے۔ اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ما تعارف الناس فی أکثر بلاد الهند من إیقاد السُرُج و وضعها علی البیوت والجدران وتفاخرهم بذلک و اجتماعهم اللهو و اللعب بالنار وإحراق الکبریت فانه ممّا لا أصل له فی الکتب الصحیحة المعتبرة، بل ولا فی الغیر المعتبرة، ولم یرو فیها حدیث لا ضعیف ولا موضوع، ولا یعتاد ذلک فی غیر بلاد الهند من الدیار العربیة من الحرمین الشریفین زادهما الله تعالیٰ تعظیماً و تشریفاً ولا فی غیرهما ولا فی البلاد العجمیة ما عدا بلاد الهند، بل عسی أن یکون ذلک وهو الظن الغالب اتخاذاً من رسوم الهنود فی ایقاد السرج للدوالی فان عامة الرسوم البدعیة الشنیعة بقیت من أهل الکفر فی الهند[۶۴]

ہندوستان کے اکثر شہروں میں لوگوں نے یہ رواج کر لیا ہے کہ پندرہ شعبان کی رات کو اپنے گھر کی دیواروں پر چراغ جلاتے اور فخریہ روشنی کرتے ہیں کہ ہم نے ایسی اچھی روشنی کی ہے جو دوسروں سے بہتر ہے اور ہم اتنے بڑے آدمی ہیں جو روشنی کرتے ہیں۔ فرداً فرداً اور اجتماعی حیثیت سے اس رات میں آتش بازی کرتے اور دیگر کھیل کود کرتے ہیں۔ یہ وہ امور ہیں جن کی اصلیت احادیث کی معتبر کتب میں موجود نہیں ہے۔ اس کے علاوہ کسی غیر معتبر کتاب میں بھی ان امور کے مسنون ہونے کی کوئی ضعیف یا موضوع حدیث پائی نہیں جاتی۔ ممالک عربیہ میں سے حرمین شریفین اور غیر عرب ممالک کے کسی دوسرے شہر میں (ما سوا ہندوستان) ان امور کا کوئی رواج نہیں ہے۔ عین ممکن ہے، بلکہ ظن غالب ہے کہ جیسے ہندو دیوالی کے تہوار پر دیے جلاتے ہیں انہی کی نقل میں مسلمان بھی شب براءت کے موقع پر ایسا کرتے ہیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں ہندوؤں کی وجہ سے بہت سی بدعات رواج پا گئی ہیں۔

شیخ عبدالحق نے یہاں مقامی ہندو مذہب کے اثرات کا مقامی مسلمانوں میں نافذ ہو جانے کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا ہے کہ مسلمان مردوں نے ہندو عورتوں سے شادی کی، جس کی وجہ سے یہاں کے رہن سہن کو مسلمانوں کے درمیان پنپنے کا موقع ملا۔ یہاں پر مزاراتِ اولیا پر رائج بدعات کا اطلاق بھی کیا جا سکتا ہے جو بجا طور پر ہندو تہذیب کی شکل دکھاتی ہیں، مثلاً دیے جلانا، رقص، نشہ آور مشروبات وغیرہ۔ مزید برآں پندرہ شعبان کی رات سو رکعات نوافل ادا کرنے کے عمل کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ محدثین کے نزدیک پایۂ صحت کو نہیں پہنچتا ہے۔[۴۷]

مسئلہ سماع

مسئلہ سماع کے بارے میں جو کچھ آپ نے تحریر کیا ہے اس میں آپ کا مسلک اتباعِ شریعت میں حد درجہ اہتمام پر مبنی دکھائی دیتا ہے۔ آپ کے مطابق اس ضمن میں تین آراء ملتی ہیں: ایک رائے فقہا کرام کی ہے۔ وہ اس فعل کو کفر و زندقہ اور الحاد سے تعبیر کرتے ہیں۔ شیخ عبدالحقؒ سماع کے رد میں ان کے اس انداز پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''یہ افراط و زیادتی ہے اور طریقۂ اعتدال و انصاف سے باہر ہے۔ اختلافی مسائل میں فقہا کو اتنی جرات نہیں کرنی چاہیے''۔ دوسری رائے محدثین کی ہے، جس کے مطابق احادیث سے اس ضمن میں صحیح طور سے کچھ ثابت نہیں ہے۔ تیسری رائے سادات صوفیائے کرام کی ہے۔ ان میں سے بعض اس کے حق میں ہیں اور بعض اس سے اجتناب کرتے ہیں۔ اس بارے میں شیخ عبدالحق لکھتے ہیں

> ''چاہیے کہ ان (صوفیا) کا انکار اشد اور ان کا اجتناب و تشدید اقوی ہو، اس لیے کہ ان کا مذہب عزیمت کو اختیار کرنا اور تمام اوقات و احوال میں اقوال و افعال میں احتیاط کرنا ہے، لیکن ان میں سے کچھ حضرات شغف و ثوق، سکر محبت، ضغ حال اور وجد و ہیجان وغیرہ میں اتنے مغلوب ہیں کہ ان کا حکم فریفتہ و دل دادہ اور مدہوشی کا حکم رکھتا ہے۔''[۴۸]

نفس کا علاج

نفس کے علاج کا طریقہ بیان کرتے ہوئے شیخ عبدالحقؒ فرماتے ہیں:

ومقرر است کہ علاج بضد باشد وطبیعت نفس چناں واقع است کہ تا کار بروے ایں چنیں سخت نکنند و تنگ نگیرند، و بمرتبۂ اعتدال نرسد و راضی نمی شود۔ واگر معاملہ بانفس برخصت کنند بدائرہ حق نیاید، واگر مطالبہ بعزیمت کنند برخصت آید۔ چنانکہ مثل مشہور است کہ برائے مرگ گیرند تا زحمت اختیار کنند۔[۴۹]

یہ بات لازمی ہے کہ علاج بالضد ہو۔ نفس کی حالت ایسی واقع ہوئی ہے کہ جب تک کام میں اتنی سختی نہ برتی جائے اور اس کو تنگی اور تکلیف میں نہ رکھا جائے اعتدال کے مرتبہ پر نہیں پہنچتا اور اگر وہ لوگ نفس کے ساتھ رخصت کا معاملہ کرلیں تو وہ حق کے دائرے میں نہ رہے۔ اور اگر مطالبہ پختہ عزم و ارادہ کے ساتھ کریں تو نفس مجبوراً اجازت دے دیتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ نفس کو مارنے کی ٹھان لیں تو وہ زحمت اور تکلیف گوارا کرلیتا ہے۔

اس کے بعد آپ ترکِ حلال اور مجاہدۂ نفس کا فرق بیان کرتے ہیں کہ اصلاحِ نفس کے لیے موجود نعمتوں سے حظ اٹھانے سے نفس کو روکنا ضروری ہے۔

شریعت پر عمل ہر حال میں لازم ہے

شیخ عبدالحقؒ کے نزدیک درجۂ کمال پر فائز ہونے کے بعد بھی شریعت پر عمل لازم ہے۔ 'مرج البحرین' میں لکھتے ہیں:

ثبوت مزیت و کمال موجب رفع احکامِ تکلیفیہ وسقوط حدودِ شرعیہ نیست، واجرائے حدود و احکام شرع مستلزم رفع خصوصیت و انکار مزیت نہ۔ ہر کہ بروے حقے از حقوقِ شرع یا حدے از حدودِ آں لازم آید۔ اثباتِ آں حق و اقامت آں حد بروے

زیادتی اور کمال کا ثابت ہوجانا احکامِ تکلیفیہ کے رفع ہونے اور حدودِ شرعیہ کے ساقط ہوجانے کا موجب نہیں ہے اور اجرائے حدود اور احکامِ شرع لازم کردیتا ہے کہ خصوصیت کو رفع اور زیادتی کا انکار کیا جائے (یعنی ان باتوں کے سامنے خصوصیت اور بڑائی و بزرگی کی کوئی حقیقت نہیں) نہ یہ کہ کسی پر حقوق شرع میں سے کوئی حق یا اس کی حدود میں سے

باید کردو لیکن بشرط رعایت ضبط و اعتدال و تحرز و تجنب از مبالغہ و افراط و تجاوز از حد و حفظ حرمتِ ایمانیہ وعزتِ اسلام و انتساب وے بجناب حق و باحتیاط واحتراس تمام در اقامتِ حد براں وجھے کہ فرمودہ وامر کردہ اند بے زیادت ونقصان و افراط وتفریط نیابۃً عن صاحب الشرع وبسا کس کہ تجاوز و اعتدال از حد اعتدال در اقامتِ حدود واجرائے احکام براہل خصوص وارباب کمال کہ منتسبان جنابِ حق ومقربان درگاہِ الٰہی مقرر شدند، بحیثیتے کہ تلافی و علاج بعدازاں ممکن نشد وایں تضرر نہ بجہت اقامتِ حق شد، بلکہ بجہت تجاوز از حق۔ ۵۰

کوئی حد لازم آتی ہے۔اس پرحق کا اثبات اور اس حد پر قائم رہنا ضروری ہو جاتا ہے، لیکن ضبط اور اعتدال کی رعایت کی شرط کے ساتھ مبالغہ اور افراط سے احتراز و اجتناب اور حرمتِ ایمانیہ اورعزتِ اسلام کی حد سے تجاوز اور اس کا انتساب اللہ تعالیٰ کے حضور سے اور احتیاط اور اقامت حد میں خود کی پوری طرح حفاظت......اس وجہ سے کہ ان باتوں کے لیے فرمایا اور حکم دیا گیا ہے کہ یہ امورصاحبِ شریعت کی نیابت میں بغیر کسی زیادتی یا کمی اورافراط و تفریط کے ہونے چاہئیں (ضروری ہے) اور بعض لوگ جو اقامتِ حدود اور اجرائے احکام میں اعتدال سے تجاوز کرتے ہیں۔ اہل خصوص اور اربابِ کمال سے جن کا تعلق جنابِ حق سے ہےاور جو درگاہِ الٰہی کے مقربین میں سے ہیں وہ نقصان پہنچانے والے ہوتے ہیں۔ اس حیثیت سے کہ اس کے بعد تلافی اور علاج ممکن نہیں ہوتا۔اور یہ نقصان اس لیےنہیں ہوتا کہ وہ حق کو قائم کرتے ہیں، بلکہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ حق سے تجاوز اور معصیت کا ارتکاب کرتے ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا اندازِ تحریر لطیف اور واضح ہے۔اس میں بہ کثرت فوائد پائے جاتے ہیں۔آپ کی تحریروں میں مسلمانوں کے مختلف گروہوں، بالخصوص

فقہاء، علمائے طریقت اور محدثین کے مابین پائی جانے والی روایتی کش مکش کا حل پیش کیا گیا ہے۔ آپ کے پُر حکمت افکار میں امت کے روحانی امراض کی نشان دہی اور شریعت اسلامی کے ذریعے ان کا علاج تجویز کیا گیا ہے۔

حواشی و مراجع

۱۔ عبدالحئی الحسنی، نزھۃ الخواطر، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد دکن، ۱۹۵۵ء، ۲۱۹/۵؛ مفتی غلام سرور لاہوری، حدیقۃ الاولیاء، تحقیق: محمد اقبال مجددی، اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور، بار دوم، ۱۹۷۶ء، ص ۱۹۳؛ محمد اسحٰق بھٹی، فقہائے ہند، ۲۰۶/۴، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۷۷ء؛ خلیق نظامی، حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، ص ۲۴۵، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۵۳ء ؛ نزھۃ الخواطر، ۲۲۸/۵؛ ڈاکٹر زبید احمد، عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ (ترجمہ)، شاہد رزاقی، ص ۲۸۴، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۱ء

۲۔ فقہائے ہند، ۲۰۶/۴

۳۔ شیخ عبدالحق، اخبار الاخیار، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر، س۔ن، ص ۲۹۸-۲۹۹

۴۔ ایضاً، ص ۳۰۱

۵۔ ایضاً، ص ۳۱۱، ۳۱۲

۶۔ نزھۃ الخواطر، ۲۲۰/۵

۷۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۹۰

۸۔ ایضاً، ص ۱۰۲

۹۔ ایضاً، ص ۱۰۹؛ شیخ عبدالحقؒ، رسالۂ نوریہ سلطانیہ، مقدمہ: دکتر سلیم اختر، حامد اینڈ کمپنی، لاہور، ۱۹۶۴ء، ص ۲۰۹

۱۰۔ اخبار الاخیار، ص ۲۶۹

۱۱۔ اخبار الاخیار، ص ۲۶۹: عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ، مترجم: محمود احمد فاروقی،

شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۶۲ء، ص ۶۲۴

۱۲۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۱۱۱، ۱۲۵، ۱۳۹

۱۳۔ ایضاً، ص ۲۲۱

۱۴۔ ایضاً، ص ۱۸۱؛ فقہائے ہند، ۴/ ۲۵۹

۱۵۔ ایضاً

۱۶۔ ڈاکٹر ظہور الدین احمد، پاکستان میں فارسی ادب، (عہد جہانگیر سے عہد اورنگ زیب تک)، ادارہ تحقیقات پاکستان، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۲۸

۱۷۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۱۸۵

۱۸۔ پاکستان میں فارسی ادب، ص ۴۲۰

۱۹۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۱۸۴

۲۰۔ ایضاً، ص ۳۱۲

۲۱۔ ایضاً، ص ۱۲۴

۲۲۔ فقہائے ہند، ۴/ ۳۶۰

۲۳۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۳۱۲

۲۴۔ شیخ عبدالحق، تکمیل الایمان، ص ۳۶، مطبع گلزار ہند، لاہور، س۔ن

۲۵۔ اخبار الاخیار، ص ۶

۲۶۔ ایضاً، ص ۷

۲۷۔ شیخ عبدالحق، ما ثبت بالسنۃ فی ایام السنۃ، دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۶۶ء، ص ۲۹۲

۲۸۔ ایضاً، ص ۲۸۲

۲۹۔ شیخ عبدالحق، تکمیل الایمان، گلزار پریس، لاہور، س۔ن، ص ۳

۳۰۔ ایضاً، ص ۳۶

۳۱۔ اخبار الاخیار، ص ۳

۳۲۔ تکمیل الایمان، ص ۱۱

۳۳۔ ایضاً

۳۴۔ شیخ عبدالحق، جذب القلوب الی دیار المحبوب، مترجم: عرفان علی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، س۔ن، ص ۲۷۷

۳۵۔ ایضاً، ص ۲۷۸

۳۶۔ ایضاً

۳۷۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۱۴۲

۳۸۔ شیخ عبدالحق، مدارج النبوۃ، ۱/۵۱، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر، ۱۹۷۷ء

۳۹۔ ایضاً، ۱/۵۲

۴۰۔ شیخ عبدالحق، زبدۃ الآثار، (مترجم اقبال احمد فاروقی) ص ۳۵، مکتبہ نوریہ رضویہ، لاہور، ۱۹۸۵ء

۴۱۔ ایضاً، ۱/۱۴۴

۴۲۔ تکمیل الایمان، ص ۳۶

۴۳۔ جذب القلوب، ص ۲۳۴

۴۴۔ ما ثبت بالسنۃ فی ایام السنۃ، ص ۲۹۲

۴۵۔ مدارج النبوۃ، ۱/۳۲۷

۴۶۔ ایضاً

۴۷۔ ایضاً، ص ۴۴۳

۴۸۔ ما ثبت بالسنۃ فی ایام السنۃ، ص ۲۹۲

۴۹۔ مرج البحرین، ص ۵۷

۵۰۔ ایضاً، ص ۷۱

☆☆☆